© rasailojaraid.com

حُجیّتِ حدیث اور انکارِ حدیث: ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر☆

کچھ عرصہ پہلے کچھ لوگوں نے سوشل میڈیا پر احادیث پر اعتراضات کی ایک تحریک شروع کی‘ جس میں ثابت شدہ صحیح احادیث اور آثار کے بارے میں تمسخر اور استہزاء کا رویہ اختیار کیا گیا۔ ان لوگوں میں قاری حنیف ڈار صاحب پیش پیش تھے جو کہ غامدی مکتب فکر سے متاثر ہیں۔ گجرات سے تعلق ہے‘ لیکن آج کل جامع مسجد پاکستان سینٹر‘ ابوظبہی میں خطیب ہیں۔ قاری صاحب نے اپنے فیس بک پیج کی وال کو احادیث کے خلاف مواد سے بھر دیا اور علم نہ رکھنے والے سادہ لوح مسلمانوں نے ان سطحی اعتراضات کو خوب خوب شیئر کیا۔ علاوہ ازیں فکر فراہی اور فکر اصلاحی سے متاثر بعض پروفیسر صاحبان بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس طرح احادیثِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ ؓ کے بارے میں بدظنی کی ایک فضا عام کرنے کی کوشش کی گئی۔ مُلحدین (atheists) جو کہ سوشل میڈیا پر سرگرم تھے‘ انہوں نے ان اعتراضات کو خوب مرچ مسالہ لگا کر پھیلایا اور عام کیا کہ جس سے عام مذہبی طبقے میں بھی بے چینی پھیل گئی۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر کئی ایک مخلص علماء اور طلبہ نے احادیث کی حجیت کے حق میں لکھا۔ راقم نے بھی قاری حنیف ڈار صاحب اور دیگر حضرات کے جواب میں کئی ایک تحریریں مرتب کی تھیں۔ بعض دوستوں نے اصرار کیا کہ ان تحریروں میں بعض اہم نکات آ گئے ہیں‘ لہٰذا انہیں کہیں شائع ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ سوشل میڈیا کی انہی تحریروں کو کچھ تہذیب اور تنقیح کے بعد ایک مضمون کی شکل میں مرتب کیا ہے تا کہ احادیث پر معاصر اعتراضات کی حقیقت کا تجزیہ کیا جا سکے۔

مختلف عناوین کے تحت یہ جو تحریریں ہیں‘ کئی نوعیت کی ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلے جو تحریریں نقل کی گئی ہیں‘ وہ اصولی نوعیت کی ہیں کہ جن میں قرآن مجید کی حجیت اور احادیث کی حجیت کے بارے میں اصولی اور نظری بحثیں موجود ہیں۔ اس حصے کی تحریروں میں بحث کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید جس ذریعے سے ثابت ہوتا ہے‘ اسی ذریعے سے احادیث بھی ثابت ہوتی ہیں۔ دوسری قسم کی تحریریں کتب احادیث‘ خاص طور پر صحیح بخاری کی حجیت اور اہمیت کے بارے میں ہیں۔ اس حصے کی تحریروں میں خاص طور پر صحیح بخاری کے بارے میں منکرین احادیث کی غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسری قسم کی تحریروں میں بعض احادیث پر منکرینِ احادیث کے عقلی و منطقی اعتراضات کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اصولی اور فروعی دونوں صورتوں میں احادیث کی حجیت اور ان کے انکار کے مسئلے کو علمی و عقلی بنیادوں پر پرکھا گیا ہے۔

☆اسسٹنٹ پروفیسر‘ کامسائس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی‘ لاہور۔ ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk
فیس بک: www.facebook.com/hm zubair

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید کی روایات

ہمارے دین کے دو بنیادی مصادر ہیں: قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن مجید نقل کرتے ہیں تو ان کے اس نقلِ قرآن کو اصطلاح میں ''قراءت'' کہتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اللہ کے رسول ﷺ سے سنت نقل کرتے ہیں تو ان کے اس نقلِ سنت کو ''حدیث'' کہتے ہیں۔ پس قراءت' قرآن مجید کی روایت ہے اور حدیث' سنت کی روایت ہے۔

قرآن مجید اور سنت ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے قطعی خبر کے ذریعے سے ملے ہیں۔ قرآن مجید کی وہ روایات جو قطعی طور ثابت ہیں اور جنہیں اُمت میں تلقّی بالقبول حاصل ہے اور ان پر امت کا اجماع ہے تو وہ کُل بیس روایات ہیں کہ جنہیں اصطلاح میں قراءاتِ سبعہ عشرہ بھی کہتے ہیں۔ قراءات کے امام دس ہیں کہ جن کے شاگرد بیس ہیں اور قرآنی روایات انہی شاگردوں کے نام سے منسوب ہیں۔ (۱)

اُمتِ مسلمہ کے پاس اس وقت جو قرآن مجید موجود ہے' وہ انہی قُرّاء کی سند سے موجود ہے۔ اگر ان قراء کو درمیان سے نکال دیا جائے تو امت کے پاس موجود مصحف کو اللہ کے رسول ﷺ کا چھوڑا ہوا مصحف ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ مسلم دنیا میں اس وقت قرآن مجید کی چار روایات رائج ہیں کہ جن میں معروف ترین روایت ''روایتِ حفص'' ہے' جبکہ دوسرے نمبر پر ''روایتِ ورش'' ہے۔ ان کے علاوہ روایتِ قالون' روایتِ دُوری بھی بعض ممالک میں عوامی طور پر پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی ''روایتِ دُوری'' سوڈان' صومالیہ' نائیجیریا' چاڈ اور وسطی افریقہ میں عوامی سطح پر پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی ''روایتِ قالون'' لیبیا اور تیونس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی ''روایتِ ورش'' الجزائر' موریطانیہ' مراکش' مالی' سینیگال وغیرہ میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ اور مسلم دنیا کے اکثر حصے میں ''روایتِ حفص'' پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ یہی روایت ہمارے ہاں جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ میں رائج ہے۔ (۲)

دنیائے اسلام کے مشرق میں اگر مصحف' روایتِ حفص میں شائع ہوتے ہیں تو بلادِ مغرب اور افریقہ میں مصاحف کی اشاعت روایت ورش' قالون اور دُوری میں ہوتی ہے۔ اور بلادِ مغرب میں لاکھوں قراء کرام اور کروڑوں عوام الناس اپنی نمازوں اور نمازوں کے علاوہ میں بھی تلاوت اپنی روایت کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ سب روایات قطعی طور اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔

حال ہی میں شاہ فہد پرنٹنگ پریس' مدینہ منورہ' سعودی عرب نے بلادِ مغرب اور افریقہ کے مسلمانوں کے لیے ان کی روایات میں قرآن مجید طبع کیے ہیں' جن میں سے ایک معروف روایت ''روایت ورش عن نافع'' ہے۔ یہ مصحف اسی طرح سے طبع کیا گیا ہے جیسا کہ بلادِ مغرب میں موجود مسلمان حکومتوں کی وزارتِ اوقاف انہیں اپنے عوام کے لیے شائع کرتی ہے۔ بلادِ مغرب کے ان شائع شدہ مصاحف میں ہمارے ہاں کے شائع شدہ مصاحف سے کچھ رسم' کچھ قراءات اور کچھ ضبط کے اختلافات ہیں' اور یہ تینوں مختلف علوم ہیں کہ جنہیں علومِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنیہ کے طلبہ ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر بلادِ مغرب میں جو مصاحف شائع ہوتے ہیں‘ان میں بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت شمار کیا گیا ہے اور انہیں سورت میں شامل کر کے لکھا گیا ہے۔(۳) جبکہ ہمارے ہاں شائع شدہ مصاحف میں بسم اللہ کو سورت سے علیحدہ لکھا جاتا ہے اور اسے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی مستقل آیت شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ قراءت کا اختلاف ہے۔ اسی طرح بلادِ مغرب کے مصاحف میں قاف کو لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اوپر ایک نقطہ ڈالا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں قاف کے اوپر دو نقطے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بلادِ مغرب کے مصاحف میں فاء کو لکھتے وقت اس کے نیچے ایک نقطہ ڈالا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں فاء کو لکھتے وقت اس کے اوپر ایک نقطہ ہوتا ہے۔ یہ علم الضبط کی مثال ہے۔(۴)

قرآن مجید کی حفاظت کا اصل ذریعہ کتابت یا حفظ؟

ہر دور میں کسی شے کو محفوظ کرنے کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں عربوں میں علم کو محفوظ کرنے کا اصل ذریعہ حفظ تھا‘ جیسا کہ دورِ جاہلیت کی عرب شاعری کو زبانی ہی محفوظ کیا گیا ہے اور زبانی ہی نقل کیا گیا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں کتابت کو اہمیت حاصل ہوتی چلی گئی اور آج جدید دور میں‘ جسے ہم آئی ٹی کا دور کہتے ہیں‘ کتابت بھی متروک ہو چکی ہے اور اس کی جگہ کمپیوٹرائزیشن لے چکی ہے۔

اب ہم اپنا علم اپنی ڈائری کی بجائے اپنی ہارڈ ڈسک میں محفوظ رکھتے ہیں اور اب تو کتابیں کیا‘ لائبریری تک ہارڈ ڈسک میں موجود ہوتی ہے۔ علومِ اسلامیہ کے طلبہ کے لیے اس کی بہترین مثال ''المكتبة الشاملة'' ہے‘ جس میں کوئی ساٹھ ہزار تک کتب جمع کی جا چکی ہیں۔ اب طلبہ کتاب کی ہارڈ کاپی کی بجائے سوفٹ کاپی سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر زمانے کے علم کو محفوظ کرنے اور رکھنے کا ایک مزاج ہوتا ہے اور زمانہ قدیم میں یہ مزاج حفظ کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوئی تو سینکڑوں حُفّاظ موجود تھے‘ لیکن قرآن مجید کا ایک بھی لکھا ہوا مکمل نسخہ موجود نہ تھا‘ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آ کر سب سے پہلے قرآن مجید کا پہلا مکمل نسخہ تیار کروایا جو کہ ایک سرکاری نسخہ تھا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید جو کہ لکھا گیا تھا‘ وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی قرآن مجید کا ایک سرکاری نسخہ تو تیار ہو گیا لیکن اس کی کتابی اشاعت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بھی گزر گیا اور قرآن مجید کا ایک ہی سرکاری نسخہ موجود رہا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک سے زائد نسخے تیار ہوئے اور وہ بھی پانچ سے زائد نہ تھے(۵)۔ گویا خلافت راشدہ میں قرآن مجید کے عوامی سطح پر پڑھنے پڑھانے کا جو عمل جاری تھا‘ وہ استاذ اور شاگرد کے باہمی تعلق سے جاری تھا اور قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کا جو ذریعہ استعمال ہوا‘ وہ حفظ تھا۔ اسی لیے تو اللہ عزوجل نے قرآن مجید کا تعارف یہ کہہ کر کروایا کہ یہ اہل علم کے سینوں میں وہ آیات ہیں‘ جو واضح ہیں۔(۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس قرآن مجید وہی ہے جو اہل علم کے سینے میں محفوظ ہوا اور پھر سینہ بہ سینہ نقل ہوا ہے۔ قُرّاء کرام نے قرآن مجید کی اسناد اور روایات کو محفوظ کیا اور آج ہر قاریٔ قرآن کے پاس ایسی سند موجود ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچنے والی ہے۔ آج بھی جبکہ پرنٹنگ پریس کا زمانہ اپنے عروج پر ہے اور مصاحف لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہے ہیں' قرآن مجید میں اصل اعتبار حفظ کا کیا جاتا ہے نہ کہ کتابت کا۔

دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک میں حکومت کی اجازت سے جو مصاحف شائع ہوتے ہیں' ان کی تصدیق پہلے قراء کرام سے کروائی جاتی ہے۔ پاکستان کی وزارت مذہبی امور اس وقت تک کسی پبلشر کو مصحف شائع کرنے کی اجازت فراہم نہیں کرتی جب تک کہ دو قراء کرام اس مصحف کی صحت کی تصدیق نہ کر دیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی نقل میں اصل قراء ہیں نہ کہ مصاحف' کہ لکھے ہوئے کی تصدیق قُرّاء اور حُفّاظ کر رہے ہیں۔ لکھا ہوا قرآن مجید یا مصحف اس وقت تک مستند نہیں ہے جب تک کہ اسے قُرّاء اور حُفّاظ کی مہرِ تصدیق حاصل نہ ہو جائے۔

اور اہم تر بات یہ ہے کہ لکھے ہوئے کو پڑھنا اور صحیح پڑھنا کسی بھی زبان میں بغیر ماہر استاذ کے ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی زبان میں تلفظ اور لہجات (accents and dialects) کا فرق ہوتا ہے۔ کسی زبان میں کچھ حروف ساکت (silent) ہوتے ہیں۔ انگریزی زبان کا ایک ہی لفظ امریکن کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور برطانوی کسی اور طرح سے۔ اور بعض اوقات تو زمین و آسمان کا فرق ڈال دیتے ہیں۔ پس قرآن مجید اگر لکھا ہوا بھی ہے تو اس لکھے ہوئے کو کیسے پڑھنا ہے؟ تو اس میں پھر اصل قراء اور حفاظ ہیں۔ اگر آپ لکھے ہوئے کو ویسے ہی پڑھیں جیسا کہ وہ لکھا ہوا ہے تو قرآن مجید کے بہت سے مقامات کو غلط پڑھ جائیں گے۔ ان باتوں کی گہرائی سے قراء خوب واقف ہیں کہ بعض مقامات پر قراءت' ظاہری رسم کے مطابق نہیں ہو رہی ہوتی ہے۔

اس لیے قرآن مجید میں اصل نقل ہے نہ کہ کتابت' اور نقل بھی ماہرین کی نہ کہ عوام کی۔ قراء اور عوام کے قرآن مجید محفوظ رکھنے میں جو فرق ہے' وہ سب کے علم میں ہے۔ دیہات میں بوڑھی اماں جی بھی بچوں کو قرآن مجید پڑھا رہی ہوں گی اور ان کے بھی سینکڑوں شاگرد ہوں گے اور ان کے اخلاص کا اللہ کے ہاں انہیں اجر بھی ملے گا' لیکن کیا ان بوڑھی اماں نے قرآن مجید کو اسی طرح سے محفوظ رکھا ہوا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز میں تلاوت فرماتے تھے؟ تو یہ اعزاز صرف قراء کو حاصل ہے۔

کتاب وسنت کا باہمی تعلق

عرصہ ہوا جناب مفتی فیصل جاپان والا کے توسط سے کراچی میں غامدی صاحب کے شاگرد مُعز امجد صاحب سے ایک علمی گفتگو ہوئی تھی کہ جس میں راقم کے ساتھ جناب طاہر اسلام عسکری صاحب بھی شریک تھے۔ اس مجلس کا کُل حاصل میرے لیے ایک جملے میں یہ تھا کہ معز امجد صاحب نے یہ کہا کہ میرے لیے بنیادی ترین سوال یہ ہے کہ کتاب وسنت کا باہمی تعلق کیا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ ان سے ملاقات سے پہلے میں نے اس سوال پر غور نہیں کیا تھا لیکن اس نشست کے بعد واقعتاً یہ محسوس ہوا کہ دین کے ایک سنجیدہ طالب علم کے لیے یہ بہت ہی بنیادی سوال ہے۔ اس سوال پر مطالعہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور و فکر شروع کیا اور پھر اس موضوع پر کافی کچھ لکھا بھی کہ جس کا خلاصہ ذیل میں بیان کر رہا ہوں۔

سلف صالحین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سنت' کتاب کے علاوہ کوئی دین کا مصدر ہے یا یہ دونوں ایک ہی مصدر ہیں؟ یہ بہت باریک نکتہ ہے کہ جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ کتاب ایک علیحدہ مصدرِ دین ہے اور سنت ایک علیحدہ مصدرِ دین ہے' جبکہ امام شاطبی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ نہیں' کتاب وسنت ایک ہی مصدر ہے' یہ دو مصادر نہیں ہیں۔ (۷) اور امام شافعی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں بہت سی ایسی احادیث کہ جنہیں علماء کتاب اللہ پر اضافہ سمجھتے تھے' انہیں کتاب اللہ کا بیان ثابت کیا ہے۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جمہور کے نزدیک سنت' کتاب اللہ کے احکامات کی شرح اور بیان بھی ہے اور اس پر اضافہ بھی ہے کہ سنت میں بعض احکامات ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ سنت کُل کی کُل' قرآن مجید کا بیان ہے۔ یعنی سنت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو کتاب اللہ کی کسی آیت کی شرح اور بیان نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسی بہت سی احادیث کو جنہیں لوگ کتاب اللہ پر اضافہ سمجھتے تھے' کتاب اللہ کا بیان ثابت کیا ہے۔

راقم کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ اگرچہ موقف دونوں درست ہیں کہ اصولی طور پر اللہ کے رسول ﷺ ہی دین کا مصدر ہیں' چاہے کتاب اللہ ہو یا سنتِ رسولؐ' دونوں آپؐ کی ذات ہی سے صادر ہوتے ہیں' لہٰذا آپ ﷺ کی سنت کو کتاب اللہ سے علیحدہ مصدر ماننے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں' لیکن عملی بات امام شافعی رحمہ اللہ کی زیادہ صحیح ہے کہ سنت' کتاب اللہ کا بیان ہے اور یہ دونوں مل کر ایک ہی مصدر ہیں۔

سنت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ اس مجلس کے بعد سے راقم کے سامنے جب بھی کوئی اہم سنت آتی ہے تو فوراً ذہن قرآن مجید کی کسی آیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ سنت اس آیت کا بیان ہے۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی احادیث کے ذریعے کتاب اللہ کو کھول کر بیان کیا ہے اور ہر حدیث' کسی نہ کسی آیت ہی کا بیان ہے۔ پس قرآن مجید الفاظ ہیں اور سنت ان الفاظ کا معنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں لفظ اہم ہے اور سنت میں معنی۔ قرآن مجید میں لفظ کی حفاظت پر زور ہے اور سنت میں معنی کی۔ لفظ اور معنی کا تعلق لازم وملزوم کا ہے۔ جو لوگ سنت کا انکار کرتے ہیں' وہ صرف اللہ کے الفاظ کو قبول کرتے ہیں اور ان الفاظ سے اللہ کی مراد کو نکال کر اپنی مراد ڈال دیتے ہیں۔

قادیانیت' رافضیت' باطنیت' خوارجیت' اعتزال وغیرہ جیسی جتنی فکری گمراہیاں ہیں' سب کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ اور قرآن مجید اسی وقت گمراہی کی بنیاد بن جاتا ہے جب اس کے الوہی معنی یعنی سنت کا انکار کر دیا جائے۔ اور پھر تو صرف الفاظ ہیں' اب آپ ان سے جو کھیل کھیلنا چاہیں' کھیل سکتے ہیں۔ اور اسی لیے خود قرآن مجید نے کہا ہے:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ﴾ (۸)

''اس (قرآن مجید) کے ذریعے اللہ عزوجل بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اسی سے ہدایت دیتا ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت اور حدیث میں فرق

ایک دوست نے پوچھا کہ کیا سنت اور حدیث میں فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔انہوں نے پوچھا ہے کہ ماخذ دین سنت ہے یا حدیث؟ تو اس سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب میں موجود ہے۔اصل سوال پہلا ہے اور پہلے سوال کا جواب صحیح تصورِ دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ سلف صالحین کی اصطلاح میں سنت' اللہ کے رسول ﷺ کے قول' فعل اور تقریر کو کہتے ہیں (۹) اور حدیث' اس سنت کی روایت کا نام ہے۔ پس سنت پہلے ہے اور حدیث بعد میں ہے۔ سنت آپ ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے اور حدیث اس قول' فعل اور تقریر کے بیان کا نام ہے کہ جو صحابی کا ہوتا ہے (۱۰)۔ اس لیے صحیح اور ضعیف حدیث ہوتی ہے نہ کہ سنت' کیونکہ سنت تو اللہ کے رسول ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے' تو وہ کیسے ضعیف یا موضوع ہوسکتا ہے؟ البتہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہوسکتی ہے کہ جس میں سنت منقول ہو۔ سنت اور حدیث کے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب سے بہت سے لوگ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے ہیں۔

پس سنت مظروف ہے اور حدیث اس کا ظرف ہے۔ سنت مکین ہے اور حدیث اس کا مکان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب آپ اہمیت کی بات کریں گے تو اصل اہمیت مظروف اور مکین کی ہے نہ کہ ظرف اور مکان کی۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ بعض اوقات مظروف اپنے ظرف سے پہچانا جاتا ہے اور مکین کا تشخص اس کا مکان بن جاتا ہے' لہٰذا دونوں کی اہمیت مسلّم ہے۔

چنانچہ جہاں تک دوسرے سوال کا جواب ہے تو وہ یہی ہے کہ سلف صالحین کے نزدیک مصادرِ شریعت کتاب وسنت ہی ہیں نہ کہ کتاب وحدیث' جیسا کہ جمیع مذاہب کی کتب اصول میں مصادرِ دین کی بحث کے تحت کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ﷺ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ہمیشہ سے کتاب وسنت کی اصطلاح ہی مستعمل رہی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور سنت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے۔ کتاب تو ''مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْن'' موجود ہے اور سنت کہاں ہے؟ یہ اہم سوال ہے کہ جس سے حدیث کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ سنت کا صرف اور صرف ایک ہی مصدر ہے اور وہ احادیث کی کتب ہیں۔

ہمارے ہاں سنت اور حدیث میں فرق کے حوالہ سے دو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں' بلکہ جان بوجھ کر پیدا کی گئی ہیں' اور یہ دونوں غلط فہمیاں امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے پیدا کی ہیں' اور اس کا سبب یہ بنا کہ حدیث ان کا میدان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کو یہ خبر پہنچی کہ امین احسن اصلاحیؒ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ''تدبر قرآن'' کے بعد ''تدبر حدیث'' لکھ کر حدیث کی بھی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو مولانا نے کہا کہ اللہ ان سے یہ خدمت نہ ہی لے تو بہتر ہے۔ اور وجہ یہی تھی کہ حدیث امین احسن اصلاحیؒ کا میدان نہ تھا۔

امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے سنت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا عمل لیا اور آپ ﷺ کا قول اور تقریر اس سے نکال دیا' (۱۱) حالانکہ اصولِ فقہ کی تمام کتابوں میں جمیع مکاتبِ فکر کے اصولیین کے نزدیک سنت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعریف میں فعل کے ساتھ آپ ﷺ کا قول اور تقریر بھی شامل کیا گیا ہے۔

دوسری غلط فہمی جو امین احسن اصلاحی صاحبؒ نے پیدا کی' وہ یہ ہے کہ سنت کا مصدر احادیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ پھر سنت ہمیں کہاں ملے گی؟ اس کا جواب اصلاحی صاحب کے ہاں یہ نہیں ہے کہ حدیث کی کتابوں میں' بلکہ اس کا جواب ان کے ہاں یہ ہے کہ سنت ہمیں ''تواترِ عملی'' میں ملے گی۔ حالانکہ اس امت میں بشمول امام مالک ؒ کسی مذہب کے بانی کا یہ موقف نہیں رہا ہے کہ سنت ہمیں تواترِ عملی میں ملے گی' بلکہ سب نے اخبارِ آحاد ہی کو سنت کا ماخذ مانا اور قرار دیا ہے۔ اصلاحی صاحب کے اس تصورِ سنت کو جناب غامدی صاحب نے ایک جامع فکر کی صورت میں نہ صرف پیش فرمایا بلکہ اس کی تشہیر بھی فرمائی۔ (۱۲)

پس سنت اور حدیث میں فرق معمولی ہے اور یہ فرق ایسا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں کہ سنت مکین ہے اور حدیث اس کا مکان ہے' سنت مظروف ہے اور حدیث اس کا ظرف ہے۔ یہ سلف کی اصطلاح میں ہے کہ جب وہ سنت کو بطور مصدر شریعت بیان کرتے ہیں تو اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ پس حدیث' سنت کا ماخذ اور مصدر ہے اور سنت دین کا ماخذ اور مصدر ہے۔

تواترِ عملی کی سند کہاں ہے؟

مکتب اصلاحی' فکر غامدی اور ان کے متاثرین کا کہنا ہے کہ دین' سنت میں ہے اور سنت' تواترِ عملی میں ہے۔ لیکن سوال یہاں ختم نہیں ہو جاتا' بلکہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ تواترِ عملی کی سند کہاں ہے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف لفظ استعمال کرنا جانتے ہیں لیکن اس لفظ پر انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ وہ کیا استعمال کر رہے ہیں؟

تواترِ عملی سے مراد وہ عمل ہے جو مسلم معاشرے میں نسل در نسل اور پے در پے ہو رہا ہو۔ آج مسلم معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے' چاہے وہ پے در پے ہی کیوں نہ ہو' وہ مستند نہیں ہے' کیونکہ اکثر بدعات اور معاصی پے در پے ہی ہوتی ہیں۔ اور اگر آپ بدعات اور معاصی کو بدعت اور معصیت کا عنوان دینا بھی چاہیں گے تو خبر کی بنیاد پر ہی دیں گے۔ لہٰذا کسی معاصر معاشرتی عمل کو سنت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سند کو اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں تک پہنچایا جائے۔ پس کسی عمل کو متواتر عملی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک مسلسل ہر زمانے میں ثابت کیا جائے۔ آپ ﷺ سے لے کر آج تک تقریباً بتیس نسلیں اور چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ پس ایک عمل' تواترِ عملی سے ثابت ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کی تاریخ میں چودہ صدیوں میں ہر صدی میں رائج رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں ایک عمل ہر صدی میں امت مسلمہ میں رائج رہا ہے اور میں اور آپ اس وقت چودھویں صدی میں ہیں تو ہمارے پاس پہلی تیرہ صدیوں میں جھانک کر دیکھنے کا کیا ذریعہ ہے کہ یہ عمل ان صدیوں میں بھی امت مسلمہ میں رائج تھا یا نہیں؟ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ جو چودھویں صدی میں امت میں رائج ہے' وہ سب پہلی صدی ہی سے چلا آ رہا ہے؟ تو اس سے بڑی بے وقوفی کی کوئی بات نہ ہوگی۔

ماضی کے معاشروں کا تواترِ عملی جاننے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے' اور وہ ہے خبر کا ذریعہ۔ اب اسے تاریخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہہ لیں یا روایت' اس سے آپ کی جان نہیں چھوٹنے والی۔ ماضی میں کسی عمل کا تواتر علمی سے ثابت ہونا بغیر خبر کے ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا جو حدیث کی خبر سے بھاگے ہیں' ان کے گلے تاریخ پڑ گئی ہے۔ اور اب تواتر عملی' تاریخ سے ثابت کرنے چلے ہیں۔ تو خبر اصل ہوئی یا تواتر عملی؟

کیا اللہ کا دین صحیح اور ضعیف ہوسکتا ہے؟

یہ وہ اعتراض ہے جو اکثر منکرین حدیث کی زبانوں پر ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر قرآن کی طرح حدیث بھی اللہ کا دین ہے تو اس میں صحیح اور ضعیف کا اختلاف کیوں ہے؟ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ حدیث کی طرح قرآن مجید میں بھی متواتر اور شاذ کا اختلاف موجود ہے۔ اگر آپ کے علم میں نہیں ہے تو حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ)' ابن محیصن (متوفی ۱۲۳ھ)' اعمش اسدی (متوفی ۱۴۸ھ) اور یحییٰ یزیدی (متوفی ۲۰۲ھ) کی مروی قراءات دیکھ لیں [۱۳]۔ یہ چاروں حضرات تو اتنے معروف ہیں کہ ان کی شاذ قراءات کے مصاحف بھی طبع ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح شاذ قراءات کے وجود سے قرآن مجید مشتبہ نہیں قرار پاتا' اسی طرح موضوع روایات کے موجود ہونے سے مقبول احادیث پر طعن وارد نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ احادیث کا ایک بڑا اور غالب ذخیرہ ایسا ہے کہ جس کی صحت وضعف میں اختلاف نہیں ہے اور کم احادیث ہیں کہ جن کی صحت وضعف کی بابت ائمہ سلف کا اختلاف ہوا ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت وضعف میں ائمہ سلف کا اختلاف نقل ہوا ہے' وہ احادیث اصول ومبادیٔ دین سے متعلق نہیں ہیں بلکہ جزئیات اور فروعات سے بحث کرتی ہیں' لہٰذا دین کے اصول ومبادی کل کے کل مقبول روایات سے ہی ثابت ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم بار بار یہ واضح کر رہے ہیں کہ اللہ کا دین حدیث ہے' یہ عوامی بیان ہے' جبکہ علمی بیان یہ ہے کہ اللہ کا دین حدیث میں موجود ہے' یعنی اللہ کا دین سنت ہے جو حدیث میں موجود ہے' لہٰذا حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا مطلب دین کی صحت اور ضعف نہیں ہے بلکہ دین کی اپنے شارع کی طرف نسبت کا صحیح یا ضعیف ہونا ہے۔ اور نسبت کا صحیح یا ضعیف ہونا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت وضعف میں اختلاف مخاطبین کی جہت سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے۔ پس اگر قرآن مجید میں موجود اللہ کے دین اور حکم تک بذریعہ فہم پہنچنے میں مجتہدین اور فقہاء کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ شریعتیں دو ہیں۔ ہم یہ کہیں گے کہ اللہ کا حکم ایک ہی ہے لیکن بعض فقہاء نے اس کو پا لیا اور بعض نہ پا سکے۔ اور اجر وثواب دونوں کے لیے ہے' اگرچہ جس نے حکم پا لیا اس کے لیے دوگنا اجر اور جس نے نہ پایا تو اس کے لیے ایک گنا اجر ہے۔ پس جس طرح اللہ کی کتاب میں موجود حکم کو بذریعہ استدلال واستنباط پا لینے میں دو رائیں ہوسکتی ہیں' اسی طرح احادیث میں موجود اللہ کے حکم کے اثبات ونفی میں بھی دو رائیں ہوسکتی ہیں۔

آخری اور چھٹی بات یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا دین کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ میں محفوظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو یہ من جملہ حفاظت کی بات ہوتی ہے۔ یعنی اُمت کے پاس وہ احادیث موجود ہیں کہ جن میں اللہ کا حکم ہے' لہٰذا کسی محدث نے اپنی تحقیق سے اس حکم کو پالیا اور کوئی نہ پا سکا' جس طرح اللہ کی کتاب میں موجود حکم کو کسی مجتہد نے پالیا اور کوئی اس کو نہ پا سکا۔ چنانچہ جس مجتہد نے اللہ کا حکم نہ پایا تو اس نے جو پایا ہے' وہ اللہ کا حکم نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کے لیے ایک گنا اجر ہے۔ یہ گہری بات ہے اور یہی قاعدہ محدثین کے لیے بھی جاری ہوتا ہے۔

عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں احادیث کی کتابت

آغازِ اسلام میں اللہ کے رسول ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا کہ اس میں کئی حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ لوگ ابھی تک قرآن مجید کے اسلوبِ کلام سے مانوس نہ تھے' لہٰذا وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو خلط ملط کر دیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ شروع اسلام میں قرآن مجید میں جن موضوعات کو زیر بحث لایا گیا' وہ عقائد' سابقہ اقوام کے قصص اور اخلاقیات تھیں کہ جن کی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ مکی سورتوں کے مضامین عموماً یہی ہیں۔ لہٰذا مکہ کے ابتدائی تیرہ سال میں احادیث کی ضرورت نہ تھی' صرف قرآن مجید ہی کافی تھا۔ شریعت مدنی سورتوں میں مدینہ میں جاکر نازل ہوئی کہ جس کی تفصیل اور وضاحت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث سے بیان فرمائی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق شروع اسلام میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھو اور جس نے قرآن مجید کے علاوہ لکھا ہے' تو وہ مٹا دے (۱۴)۔ اس کے بعد جبکہ مسلمان قرآن مجید کے اسلوبِ کلام سے مانوس ہو گئے اور شرعی احکام کا نزول شروع ہو گیا تو آپ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میں آپؐ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں' کیا انہیں لکھ لیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! لکھ لیا کرو''۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصے میں ہوتے ہیں (تو کیا ہر حال میں کہی ہوئی بات لکھ لیا کروں)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اللہ کی قسم! میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ جاری نہیں ہوتا (چاہے میں کسی حال میں بھی ہوں)''۔ (۱۵)

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ جو باتیں انہوں نے فتح مکہ کے خطبۂ عام میں آپ ﷺ سے سنی ہیں' وہ انہیں لکھ کر دے دی جائیں۔ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ابوشاہ کو میرے خطبہ کی باتیں لکھ کر دے دو! اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں کہ جن میں نبی ﷺ کے زمانے میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احادیث لکھنے کا بیان ہے (۱۶)۔ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے زیادہ کوئی بھی حدیث نبویؐ کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں تھا' کیونکہ وہ آپ ﷺ کی احادیث لکھ بھی لیتے تھے اور یاد بھی کرتے تھے جبکہ میں صرف یاد رکھتا تھا اور لکھتا نہ تھا۔ (۱۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابوجُحیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی کا علم ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس قرآن مجید کا فہم ہے اور یہ ایک صحیفہ ہے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دیت' قیدیوں کو چھوڑنے اور کافر کے بدلے مسلمان کو قتل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کرنے جیسے احکامات ہیں (۱۸)۔ پس تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی احادیث کولکھا کرتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث لکھی ہیں' اسے ''**الصحیفة الصادقة**'' کہتے ہیں۔ یہ حدیث کی پہلی کتاب تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی مدون ہوئی اور محدثین میں نہ صرف اس کا تذکرہ عام ہے بلکہ بہت سے محدثین اپنی کتابوں میں اس سے روایات بھی لائے ہیں۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا صحیفہ اہم ہے کہ جو ان احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ اہم ہے کہ جو ان احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ اسی طرح ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو احادیث سنی تھیں' انہیں ایک صحیفہ میں جمع کر دیا جو کہ ''**صحیفة همام بن مُنبّه**'' کہلاتا ہے۔ یہ کل ۱۳۸ احادیث ہیں' اور اس صحیفے سے امام بخاری' امام مسلم' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدثین نے احادیث لی ہیں (۱۹)۔ اس صحیفے کے دو قلمی نسخے' دمشق اور برلن' میں موجود ہیں کہ جن میں فرق نہیں ہے۔ معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے' جس کا اردو ترجمہ مارکیٹ میں عام دستیاب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حُجیّتِ احادیث اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں موقف

حضرت الامام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاں دین کے مصادر کی جو تعداد اور ترتیب بیان کی ہے' وہ قرآن' حدیث اور قولِ صحابیؓ ہے۔ ذیل میں حدیث کے حجت ہونے اور مصدر دین ہونے کے بارے میں علامہ صیمریؒ (متوفی ۴۳۶ھ) اپنی سند سے امام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کر رہے ہیں:

أخبرنا أبو القاسم عبد الله بن محمّد البزّاز قال: ثنا مكرم قال: ثنا أحمد بن عطيّة قال: ثنا ابن سماعة عن أبي يوسف قال: سمعت أبا حنيفة يقول: إذا جاء الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم عن الثقات أخذنا به، فإذا جاء عن أصحابه لم نخرج عن أقاويلهم، فإذا جاء عن التابعين زاحمتهم (۲۰)

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب ثقہ راویوں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہم تک پہنچ جائے تو ہم اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے کوئی بات ہم تک پہنچ جائے تو ہم صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں نکلتے۔ اور جب تابعینؒ کی بات آتی ہے تو ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں۔''

اسی طرح امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ' نعیم بن حماد کی سند سے حدیث کی حجیت کے بارے میں امام صاحب کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَالَ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ: ثنا ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ: إِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ، وَإِذَا جَاءَ عَنِ الصَّحَابَةِ نَخْتَارُ مِنْ قَوْلِهِمْ، وَإِذَا جَاءَ عَنِ التَّابِعِينَ زَاحَمْنَاهُمْ (۲۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''عبد اللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ ؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب کوئی بات اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہمارے پاس آ جائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور جب صحابہؓ سے کوئی بات آئے تو ہم صحابہ کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے ہیں' اور جب تابعینؒ کی بات آتی ہے تو ہم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔''

امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک صحیح حدیث مطلقاً حجت ہے' بلکہ وہ تو اس قدر روایت پسند ہیں کہ حدیث تو کجا صحابہؓ کے اقوال کی موجودگی میں بھی اپنے اجتہاد کا اظہار کرنا درست نہیں سمجھتے ہیں۔ اور پھر جس دین کی یہ شان ہو کہ اس کے جلیل القدر ائمہ کے اقوال کی اسناد تک محفوظ ہوں' تو عجب نہیں ہے کہ کچھ لوگ اس دین کے پیغمبر ﷺ کے اقوال کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہوں۔

اور امام صاحب کے نزدیک صحیح حدیث وہی ہے جو کہ ثقہ راویوں سے مروی ہو' جیسا کہ محدثین کے ہاں بھی حدیث کی صحت کا یہی معیار مقرر ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے فقہاء اور محدثین کے منہج میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فقہاء سے ہماری مراد متاخرین نہیں بلکہ بانیانِ مذاہب ہیں۔

خبرِ واحد اور خبرِ متواتر میں امتیاز کی نوعیت

قرآن مجید اور احادیث دونوں اللہ کا دین ہے۔ اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے نہ کہ صرف قرآن مجید کی حفاظت کا۔ یہ دین ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے قطعی خبر کے ذریعے ملا ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی خبر قطعی ہے' اسی طرح احادیث کی خبر بھی قطعی ہے' کیونکہ قرآن مجید اور احادیث ایک ہی ذریعہ سے اس امت کو منتقل ہوئے ہیں اور وہ ذریعہ ''خبر قطعی'' کا ہے۔ اور جس طرح فتنہ پروروں نے احادیث وضع کی ہیں' اسی طرح قرآن مجید بھی گھڑا گیا۔ جس طرح احادیث کی خبر میں ''موضوع'' اور ''صحیح'' کی مصطلحات موجود ہیں' اسی طرح قرآن مجید میں بھی ''شاذ'' اور ''متواتر'' کی اصطلاحات موجود ہیں(۲۲)۔ جس طرح محدثین نے احادیث میں ''صحیح'' کو ''موضوع'' سے جدا کیا' اسی طرح قراء کرام نے ''متواتر'' کو ''شاذ'' سے ممیّز کیا۔

جس طرح احادیث میں طبقات المحدثین ہیں' اسی طرح قرآن مجید میں طبقات القراء ہیں(۲۳)۔ جس طرح احادیث کی خبر کی صحت کی شرائط منقول ہیں جو کہ عام طور محدثین کے نزدیک پانچ ہیں' اسی طرح قرآن مجید کی خبر کی صحت کی بھی شرائط منقول ہیں جو عام طور قراء کے نزدیک تین ہیں کہ جن کا ذکر ہم ایک مستقل مقالہ میں کر چکے ہیں' جبکہ تفصیل کے لیے علامہ ابن الجزری ؒ کی ''منجد المقرئین و مرشد الطالبین'' دیکھی جا سکتی ہے(۲۴)۔ جس طرح حدیث کی صحت کے اصول' اصولِ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں' اسی طرح قرآن مجید کی صحت کے اصول' علومِ قرآن کی کتب میں مذکور ہیں۔ پس جس طرح حدیث سند سے نقل ہوئی ہے' اسی طرح قرآن مجید بھی سند سے نقل ہوا ہے۔

اس موضوع پر کچھ دوستوں سے ہمارا ایک مکالمہ ہوا تھا کہ خبر واحد سے ثابت شدہ دین قطعی ہوتا ہے یا ظنی(۲۵)۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ خبر واحد سے قطعی دین ثابت ہوتا ہے کہ یہی سلف صالحین کا موقف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سردست اس مکالمے کے چند نکات یہاں رکھ رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خبر واحد' حدیث کے مترادف ہے اور حدیث کو خبر متواتر اور خبر واحد میں تقسیم کرنا بے کار کی تقسیم ہے۔ متواتر کی اصطلاح سے قطع نظر عملی صورت حال یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں صرف ایک حدیث ایسی ہے کہ جسے محدثین نے متواتر مانا ہے' بقیہ سب اخبارِ آحاد ہی ہیں' لہٰذا ایک حدیث کے لیے اصطلاح وضع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح متواتر کی اصطلاح سلف صالحین کی نہیں ہے' نہ ہی ائمہ اربعہ نے اسے استعمال کیا ہے۔ یہ یونانی اصطلاح ہے جو منطق کے راستے اصولِ فقہ میں داخل ہوئی۔ ہمارے سلف اس اصطلاح سے ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن الصلاح ؒ نے اصولِ حدیث کی معروف کتاب ''معرفة أنواع علوم الحديث'' جو کہ ''مقدمہ ابن الصلاح'' کے نام سے بھی معروف ہے' میں لکھا ہے کہ متواتر محدثین کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ منطق کے راستے اصول فقہ میں آئی ہے اور وہاں سے خطیب بغدادی ؒ نے اسے اصولِ حدیث میں داخل کیا ہے۔ (۲۶)

دیکھیں! خبر کو متواتر اور آحاد میں تقسیم کرنے میں ہمیں اعتراض نہیں کہ ''لا مشاحة فى الاصطلاح'' یعنی اصطلاح بنانے میں کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ اس تقسیم کا مقصود یہ ہے کہ متواتر سے قطعی دین ثابت ہوتا ہے اور آحاد سے ظنی' تو پھر ہم یہی کہیں گے کہ یہ تقسیم سلف سے دکھائیں' کیونکہ اب آپ اس تقسیم کے ذریعے دین کو تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ کی حدیث کا کل ذخیرہ ہے ہی خبر واحد۔ متواتر تو ایک اصطلاح ہے' بس! کہ جس کا اطلاق ڈھونڈے کو نہیں ملتا۔ محدثین کو صرف ایک روایت ملی ہے کہ جسے متواتر کہہ سکیں۔ ایک روایت کے لیے اصطلاح بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے خبر واحد برابر ہے حدیث کے' یہ کہنا ٹھیک ہے' کیونکہ کل ذخیرۂ احادیث ہے ہی خبر واحد۔ خبر واحد اور متواتر میں حدیث کی تقسیم کے راستے دراصل حدیث سے ثابت شدہ دین کو ظنی قرار دیا جاتا ہے اور یہ رویہ ہماری نظر میں خطرناک ہے۔

تواتر' تواتر' تواتر' ایک رانگ نمبر ہے' جس پر ابھی تک کسی کی کال نہیں ملی۔ اگر کسی کی کال ملی ہو تو صرف اتنا بتلا دے کہ کتنے ہوں تو تواتر حاصل ہوتا ہے؟ بس جس دن یہ بتلا دیا گیا کہ اتنوں سے تواتر حاصل ہوتا ہے' اس دن کال مل گئی۔ کچھ نے کہا کہ تواتر چار سے حاصل ہوتا ہے' کچھ نے پانچ' کچھ نے سات' کچھ نے دس' کچھ نے بارہ' کچھ نے چالیس' کچھ نے ستر اور کچھ نے تین سو تیرہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی لیے امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ متواتر وہ ہے کہ جس سے علم قطعی حاصل ہو اور اس میں تعداد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے کہ بعض اوقات خبر واحد سے بھی علم قطعی حاصل ہو جاتا ہے' لہٰذا صحیحین کی اکثر روایات متواتر ہیں اور بعض اوقات جم غفیر کی خبر کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (۲۷) خدا کے دین میں ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن مجید اور حدیث کے ذریعہ میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا کیونکہ دونوں دین ہیں۔ دونوں سند سے نقل ہوئے ہیں' دونوں سند ہی سے حجت قرار پاتے ہیں اور دونوں سند ہی کی بنیاد پر قطعی ہیں۔

باقی صحیح موقف یہ ہے کہ قرآن بھی قطعی ذریعے سے ثابت ہے اور حدیث بھی' اور وہ قطعی ذریعہ سند ہے۔ نمبروں کے کھیل کا تعلق اس تصورِ دین سے ہے جسے انسانوں نے بنایا ہے۔ اگر نمبروں کی گیم اتنی ہی اہم ہوتی تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ عزوجل قرآن مجید میں ہی امت کو حکم دے دیتے کہ جب تک چار‘ دس‘ سترہ‘ تیس‘ چالیس‘ ستر‘ سو‘ تین سو تیرہ وغیرہ جتنی تعداد سے قرآن نہ سن لینا‘ اس وقت تک اس کے قرآن ہونے پر ایمان نہ لانا۔ جن لوگوں نے متواتر کی اصل تعداد کو بنایا ہے‘ وہ آج تک یہ واضح نہ کر سکے کہ چار سے تواتر حاصل ہوتا ہے‘ دس سے‘ سترہ سے‘ تیس سے‘ چالیس سے‘ ستر سے‘ سو سے‘ تین سو تیرہ سے‘ کتنوں سے؟ پھر تواتر کے لیے مطلوب تعداد کے اثبات کے لیے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں‘ وہ بھی غیر متعلق ہیں‘ جیسا کہ جن لوگوں کا قول ہے کہ پانچ سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اولوالعزم رسول پانچ ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ سات سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اصحابِ کہف سات تھے۔ جنہوں نے کہا کہ دس سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ جمع قلت کے لیے کم از کم دس افراد کا ہونا شرط ہے۔ جنہوں نے کہا کہ بارہ سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ تھی۔ اور جنہوں نے کہا کہ چالیس سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لیے چالیس افراد کا ہونا معتبر ہے۔ جنہوں نے کہا کہ ستر افراد سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے ملاقات کے لیے اپنی قوم میں ستر افراد کا انتخاب کیا تھا۔ اور جنہوں نے کہا کہ تین سو تیرہ کی تعداد سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ اصحابِ بدر کی تعداد اتنی تھی۔ اور جنہوں نے کہا کہ سات یا چودہ سو سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ بیعت رضوان میں اتنے لوگ تھے‘ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (۲۸)

اگر خبر واحد سے دین کی قطعیت ثابت نہ ہوتی تو اللہ عزوجل ہر قوم کی طرف ایک رسول کیوں بھیجتے؟ اور رسول کی طرف وحی بھی ایک ہی فرشتہ کیوں لے کر آتا؟ پس اللہ کے رسول ﷺ کی خبر جو کہ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دی ہے‘ متواتر ہے‘ اس معنی میں کہ اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن مجید بھی اللہ کے رسول ﷺ کی خبر واحد ہی ہے۔ تواتر اگر محض معلومات (information) کے لیے ایک اصطلاح ہے تو ہمیں اصطلاحات سے کوئی مسئلہ نہیں ہے‘ جیسا کہ خبر واحد کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں: غریب‘ عزیز اور مشہور۔ لیکن اگر آپ کی اصطلاح سے تصورِ دین بگڑنے لگے تو ہم اس وقت اس اصطلاح کا رد کریں گے۔ لوگوں نے تواتر کی یونانی اصطلاح سے اللہ کے دین کو تقسیم کر دیا‘ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو تقسیم کر دیا‘ قطعی کو ظنی بنا دیا۔

ایک ایسے دور میں بیٹھ کر قرآن مجید کے متواتر ہونے کی باتیں کرنا جبکہ مصاحف لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہے ہوں‘ اور بات ہے۔ اور تابعین کے دور میں پہنچ کر یہ بات ثابت کرنا کہ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید تواتر سے ملا ہے‘ اور بات ہے۔ وہاں تو ایک دوسرے کی قرآن کی وجہ سے تکفیر ہو رہی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے محاذوں پر سپاہیوں میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں جو اختلاف ہوا تھا تو سپہ سالار حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس اختلاف کی اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب میں اختلاف کر رہے ہیں لہٰذا ان کو کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات پر جمع کر دیں(۲۹)۔اس کے بعد جمع عثمانی کا معاملہ ہوا۔پس خلاصہ یہ ہے کہ اگر تواتر سے مراد قطعیت ہے تو ہم اس کے قائل ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث دونوں متواتر ہیں' اور اگر مراد تعداد ہے تو آپ بیان کر دیں۔

تابعین کے دور میں اگر قرآن مجید کی کسی آیت کی تحقیق کے لیے کسی کو مکہ یا مدینہ نہیں جانا پڑا تو کسی حدیث کی تحقیق کے لیے بھی نہیں جانا پڑا۔خلافت راشدہ میں جب ایک تابعی ایک صحابی سے قرآن مجید سنتے تھے' تو اس کے قرآن مجید ہونے کا ایمان رکھتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ جب تک ایک تابعی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر سے قرآن مجید نہیں سن لیتا تھا تو اس وقت تک اسے قرآن مجید نہیں مانتا تھا۔خیر القرون کے بعد جب تحقیق کا دور شروع ہوا تو قرآن اور حدیث دونوں کی تحقیق ہوئی۔''طبقات المحدّثین'' مرتب ہوئیں تو ''طبقات القراء'' بھی لکھی گئی۔ جب احادیث کی چھانٹی ہوئی تو قرآن بھی چھانٹ کر مرتب ہوا' اسی لیے تو موضوع' شاذ' ضعیف اور حسن قراءات وجود میں آئیں(۳۰)۔ یہ تو تاریخ قرآن کے موضوع کی بہت ہی بنیادی بات ہے۔باقی ہمیں یہ فرق ضرور کرنا چاہیے کہ قرآن مجید کے نقل میں تلقّی وتلاوت تھی جبکہ حدیث میں تحمل واداء۔تلقی وتلاوت میں الفاظ اصل ہیں جبکہ تحمل واداء میں معنی کی اہمیت ہے۔حدیث میں نہ تلقی تھی اور نہ ہی تلاوت۔البتہ قرآن مجید اور حدیث دونوں کے منتقل ہونے کا ذریعہ ایک ہی تھا اور وہ قطعی سند تھی۔

ایک اور طرح سے بات کو سمجھیں تو یوں ہے کہ خبر میں دو پہلو ہوتے ہیں: جھوٹ اور سچ۔ جب ایک پہلو متعین ہو جائے تو اسے کہتے ہیں کہ خبر قطعی ہو گئی ہے' یعنی دوسرا پہلو قطع ہو گیا' ختم ہو گیا۔اور قطعیت کے لیے تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے' بس یہی ہمارا مقدمہ ہے۔مثال کے طور پر آج میرے لیے امام مالک رحمہ اللہ کی ''الموطأ'' کی خبر قطعی ہے کہ اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے لیے امام نافع رحمہ اللہ کی خبر قطعی ہے۔امام نافعؒ کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خبر قطعی ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر قطعی ہے۔پس میں تواتر کو مان رہا ہوں' لیکن یہ کہہ رہا ہوں کہ اس میں تعداد اصل نہیں ہے۔ اگر آپ تعداد کو نکال دیں تو مجھ میں اور آپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے' لیکن اگر آپ تعداد پر حسّاس ہیں تو تعداد پھر آپ ہی بیان کریں گے کہ جس سے تواتر حاصل ہوتا ہے اور اس تعداد سے تواتر حاصل ہونے کی عقلی ونقلی دلیل بھی آپ کے ذمے ہے۔اگر آپ کے نزدیک تعداد بھی تواتر کے مفہوم میں شامل ہے تو فرق یہ پڑے گا کہ میرے نزدیک تواتر ایک سے بھی حاصل ہو جائے گا' جبکہ آپ کے نزدیک اس تعداد سے حاصل ہوگا جو آپ لوگ بیان کریں گے۔پس ہمارے نزدیک تواتر سے مراد قطعیت ہے نہ کہ تعداد' لہٰذا امام مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر ایک متواتر خبر ہے۔ یہ کہنے والا میں پہلا نہیں ہوں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ خبر واحد اور متواتر کی تقسیم ہماری نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تواتر سے مراد قطعیت ہو تو صحیح اصطلاح ہے' اگر تعداد ہو تو لایعنی مصطلح ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قطعیت' خبر کا خاصہ ہو یا مخاطب کا فیصلہ' دونوں صورتوں میں ایک کی خبر سے بھی قطعیت حاصل ہو جاتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خبر تحقیق سے پہلے ظن کا فائدہ دیتی ہے اور تحقیق کے بعد یقین کا۔بس جسے آپ خبر واحد کہتے ہیں' وہ ہر حال میں قطعی نہیں ہوتی' تحقیق کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قطعی ہوتی ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ کچھ اخبار آحاد ایسی ہیں جو تحقیق کے بغیر ہی قطعی ہیں اور یہی صحیح معنوں میں متواتر اخبار ہیں' جیسا کہ مالک عن نافع عن ابن عمر۔ چھٹی بات یہ ہے کہ وہ خبر واحد جو کہ محتف بالقرائن ہو' جیسا کہ صحیحین کی خبر واحد ہے یا جس خبر واحد کو تلقّی بالقبول حاصل ہو' تو یہ بھی عامی کے لیے بغیر تحقیق کے قطعی ہے اور صحیح معنی میں یہ بھی متواتر اخبار ہی ہیں۔ ساتویں بات یہ ہے کہ قرآن مجید کیسے ثابت ہوگا' یہ بھی قرآن ہی بیان کرے گا' کیونکہ یہ دین کا سب سے بنیادی موضوع ہے۔ قرآن نے ہمیں یہ کہا ہے کہ اللہ کی کتاب جب تمہیں ایک شخص سے بھی پہنچے تو تم تحقیق کے بعد اس کو قبول کر لو۔ بس اس کے بعد ہمیں کسی خارجی ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ قرآن مجید کے اثبات کے لیے سند کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ قرآن مجید کی بیس روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی بغیر سند کے ثابت کر دیں۔ باقی قرآن کی اسناد کے لیے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کی ''النشر فی القراءات العشر'' دیکھ لیں(۳۱)۔ اب چونکہ قراء نے کتابوں میں اسناد نقل کر دی ہیں تو متاخرین کو ضرورت نہیں ہے کہ اسناد پڑھیں پڑھائیں۔ ورنہ علمی طور تو قرآن مجید جہاں بھی پڑھیں گے' اگر روایت حفص بھی پڑھیں تو استاد جی' چاہے حنفی ہوں یا اہل حدیث' شافعی ہوں یا مالکی' پہلے یہ بتائیں گے کہ یہ روایت حفص بھی ''شاطبیہ'' کے طریق سے ہے یا ''طیبہ'' کے طریق سے۔

اور آج بھی شائع شدہ قرآن' قاریٔ قرآن کی تصدیق کا محتاج ہوتا ہے۔ اور جب تک قاری صاحب تصحیح کا سرٹیفکیٹ نہ دے دیں' اس وقت تک قرآن مجید شائع نہیں ہو سکتا۔ تو اصل قاری صاحب ہیں نہ کہ لکھا ہوا۔ اور قرآن بھی تو بیس روایات میں سے ایک روایت ہے' یعنی روایت حفص۔ پس جسے آپ قرآن کہتے ہیں' علمی زبان میں وہ قراءتِ عاصم اور روایت حفص ہے۔ باقی آج سند کی ضرورت نہ قرآن مجید کے لیے اس طرح ہے' نہ حدیث کے لیے۔ دورِ تدوین کے بعد تو سند ایک اعزاز ہے۔

علاوہ ازیں اس بات کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کیا صحابہؓ کے لیے خبر واحد سے ثابت شدہ شریعت قطعی تھی اور ہمارے لیے ظنی؟ آپ ﷺ کی مجلس میں جب ایک صحابی کسی حدیث کو سنتا اور اپنے گھر' محلے اور قبیلے میں جا کر وہ حدیث بتلاتا تو کیا مخاطبین کے لیے قطعی دین ثابت ہو رہا تھا یا ظنی؟ اسی طرح اگر اکیلا صحابی قرآن مجید کی تدوین سے پہلے اپنے شہر کے لوگوں کو قرآن مجید پڑھائے وہ تو قطعی ہے اور اگر حدیث بتلائے تو وہ ظنی ہے؟ پس ایسا نہیں ہے کہ واسطہ بڑھ جانے سے ایک چیز قطعی سے ظنی بن جائے کہ قطعیت شے کا خاصہ ہے نہ کہ واسطے کا۔ اور اسی طرح ایسا بھی نہیں ہے کہ قرآن مجید کو ایک شخص نقل کرے تو وہ تو قطعی کہلائے لیکن حدیث کو ایک شخص نقل کرے تو وہ ظنی کہلائے۔

ایک صحابی جب اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن مجید کی آیات یا کوئی سورت سیکھتے تھے اور اپنے گھر میں اپنی اہلیہ کو جا کر سناتے تھے تو ان کی اہلیہ کے لیے قرآن مجید کی وہ آیات یا سورت اسی قطعیت کے ساتھ ثابت ہو رہی تھی جس قطعیت کے ساتھ اس صحابیؓ رسول ﷺ کے لیے۔ مانا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں خبر واحد کی صورت میں ملنے والے قرآن مجید کے بارے میں لوگ آپ ﷺ سے تصدیق کر سکتے تھے کہ یہ قرآن مجید ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یا نہیں، لیکن کیا کسی نے ایسی تصدیق کی؟ پس یہ کہنا کہ یہ ہو سکتا تھا، فلاں کر سکتے تھے، تو بھئی! ہو سکتا تھا، کر سکتے تھے، کوئی دلیل ہے کیا؟ کیا ہوا ہے، وہ بیان کریں۔ ورنہ تو ہر صحابی کا ہر فعل حجت بن جائے گا۔ پس قرونِ اولیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جس ذریعہ سے قرآن مجید ثابت ہوتا تھا، اسی سے حدیث بھی ثابت ہوتی تھی۔ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ہے۔ اور وہ ذریعہ سند ہے، بس!

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگر دو چار روایات میں ایک دوسرے سے روایت کو قبول نہیں کیا تو اس سے زیادہ مرتبہ ایک دوسرے سے قرآن کو بھی قبول نہ کیا۔ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں میں ایک دوسرے کے قرآن ہی کا تو انکار ہو رہا تھا۔ تو کیا اس انکار سے قرآن مجید ظنی ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں! آپ پہلے قطعی کا مفہوم ہضم کر لیں اور اس پر غور کر لیں کہ قطعیت خبر کا خاصہ ہے یا مخاطب کا فیصلہ۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ قطعی اور ظنی کی تقسیم نہیں ہے۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید قطعی اور حدیث ظنی ذریعے سے ثابت ہے۔ اللہ کے دین میں یہ تقسیم غلط ہے۔

اور قطعیت کے لیے اجماع کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ قرآن مجید اس وقت بھی قطعی تھا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کے بارے میں اختلافات ہوئے۔ آپ ﷺ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو قرآن پر اجماع نہیں تھا۔ اگر اس وقت قرآن مجید پر اجماع ہوتا تو جمع و تدوینِ قرآن کی ساری کہانی اور اس کی وجوہات و اسباب سب کو جھوٹ تسلیم کرنا ہو گا۔ اجماع مصحفِ عثمانی پر ہوا ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ اس سے پہلے قرآن مجید پر بہت اختلاف تھا، جیسا کہ صحیح روایات میں موجود ہے۔ اس کے بیان کے لیے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی "کتاب المصاحف" کافی ہے (۳۲)۔ لیکن اس اختلاف کا یہ مطلب نہیں تھا کہ قرآن مجید قطعی نہیں تھا۔

اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث بھی دین ہے۔ جب یہ مان لیا تو اب پروردگار مجھے آدھا دین قطعی ذریعے سے دے اور آدھا ظنی ذریعے سے، یہ رانگ نمبر ہے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہر دور میں قطعی سند سے ثابت ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہی تاریخی حقیقت بھی ہے اور فرد پر اتمامِ حجت کے لیے پروردگار کی دلیل بھی۔

یہ عقیدہ قطعی ہے یا ظنی؟

مکتبِ فراہی اور فکرِ غامدی سے متاثر لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ خبر واحد سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، حالانکہ ایسی بات سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ روایتی مکاتبِ فکر میں خبر واحد جس طرح فقہی اعمال کا مصدر ہے، اسی طرح دینی عقائد کا بھی ماخذ ہے۔ البتہ ان میں اس بارے اختلاف ہے کہ خبر واحد سے جو عقائد ثابت ہوتے ہیں، وہ قطعی ہیں یا ظنی؟ ہماری رائے میں خبر واحد سے ثابت شدہ عقائد قطعی ہیں کہ وہ عقیدہ ہی کیا ہے کہ جو ظن پر قائم ہو۔ عقیدہ اور اس کا ظنی ہونا، یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر وہ ظنی ہے تو وہ عقیدہ نہیں ہے اور اگر عقیدہ ہے تو ظنی نہیں ہو سکتا۔ چاہے آپ بغیر سوچے سمجھے زبان سے اس کو ظنی کہہ رہے ہوں لیکن آپ کا عمل اس کی قطعیت کی گواہی دے رہا ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ عقیدہ ہی کیا کہ جسے شک لاحق ہو؟ اور ظن تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس میں شک کا پہلو مغلوب ہو۔ البتہ شک اور شبہہ میں فرق ہے کہ شبہ عارضی ہوتا ہے' لہٰذا ایک حال ہے نہ کہ صفت' جبکہ شک تو ایسا خلجان ہے کہ جس میں سلب وایجاب میں سے کوئی بھی پہلو غالب نہ ہو سکے۔ مؤمن کو شبہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن وہ شک میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد' امام ابن حزم رحمہم اللہ اور حنفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک خبر واحد سے علم یقین حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض ظن۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خبر واحد سے عمل تو واجب ہو جاتا ہے لیکن اس سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں سے یہ بات لے آئے ہیں!(۳۳)

خبر واحد سے کون سے اسلامی عقائد ثابت ہوتے ہیں؟ ذرا اس پر ہم کچھ روشنی ڈال دیتے ہیں۔ پھر جو ان عقائد کو ظنی سمجھتے ہیں' وہ ذرا اس پر غور کر لیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے بھی یا نہیں!

- اللہ کے نبی ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔
- میدانِ محشر میں اللہ کے نبی ﷺ شفاعت کریں گے۔
- اللہ کے نبی ﷺ کے معجزات جو احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔
- انسان اور کائنات کی ابتدا' جنّات اور فرشتوں کی صفات' جنت اور جہنم کی صفات۔
- عشرہ مُبشرہ جنتی ہیں۔
- قیامت والے دن جو میزان لگایا جائے گا' اس کے دو پلڑے ہوں گے۔
- حوضِ کوثر پر ایمان' اور اس پر ایمان کہ جو حوضِ کوثر سے پانی پیے گا' کبھی بھی پیاسا نہ ہو گا۔
- قلم پر ایمان اور اس پر کہ قلم نے ہر شے کو لکھ دیا ہے۔
- اس پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا جسم زمین پر حرام کر دیا ہے۔
- امام مہدی کے خروج' دجال کی آمد اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر ایمان۔
- اللہ کے نبی ﷺ کے آسمانوں پر جانے اور اللہ کی ان نشانیوں پر ایمان جن کے دیکھنے کا ذکر آپ ﷺ نے اپنی احادیث میں کیا۔ وغیرہ۔

حدیث کی درایتی تحقیق

حدیث کی درایتی تحقیق کی معاصر تحریک کو اس بارے میں دو بنیادی غلط فہمیاں لاحق ہوئیں۔ ایک یہ کہ ان کا خیال ہے کہ محدثین نے احادیث کی روایتی تحقیق کی ہے جبکہ درایتی نہیں' لہٰذا ہمیں حدیث کی درایتی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات میں قلتِ تدبّر کے نتیجے میں وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ صحابہ بھی درایت بمعنی عقل کی بنیاد پر احادیث کو رد کر دیتے تھے۔

پہلی غلط فہمی تو صحیح حدیث کی شرائط پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ محدثین نے احادیث کی روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے جانچ پڑتال کی ہے۔ صحیح حدیث کی پہلی تین شرائط کا تعلق روایت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخری دو کا درایت سے ہے کہ شذوذ اور علت کی بحث متن میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور علت کی بیسیوں قسمیں ایسی ہیں کہ جن کا تعلق متن سے ہوتا ہے اور اس کا اندازہ ''کتب العلل'' کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے۔ پس محدثین نے احادیث کی اسناد اور متن دونوں کی تحقیق کے اصول وضع کیے اور ان دونوں پر اخبار آحاد کی جانچ پڑتال کی ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ درایت یعنی متن کی تحقیق کا معنی ومفہوم محدثین کے ہاں کچھ اور ہے اور مکتب فراہی اور ان کے متاثرین کے ہاں کچھ اور ہے۔

ہمارے استاذ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی صاحب نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ بعنوان ''علمِ حدیث میں اسناد و متن کی تحقیق کے اصول'' میں استدراکاتِ صحابہ پر بہت عمدہ عقلی ومنطقی گفتگو فرمائی ہے اور معاصر محققین میں سے مولانا فراہیؒ، مولانا اصلاحیؒ، غامدی صاحب، پروفیسر تقی امینی صاحب اور جناب عمار خان ناصر صاحب کے حدیث کی درایتی تحقیق کے بارے میں نظریات کا خوب تعاقب فرمایا ہے۔

دوسری غلط فہمی کی بنیاد دوہرا معیارِ فہم ہے۔ یعنی جب پہلے سے ذہن میں یہ طے ہو کہ ہم نے ان احادیث کو قبول نہیں کرنا تو انسانی ذہن قابل توجیہ واقعات میں بھی اعتراضات تلاش کر لیتا ہے۔ یہی کام مستشرقین میں سے نولڈکے، رچرڈ بیل اور آرتھر جیفری نے قرآن مجید کے ساتھ کیا ہے اور انہوں نے قرآن مجید کے متن کی تحقیق اس کے متن سے کی ہے جسے وہ ''انتقادِ اعلیٰ کے اصول'' (Principles of Higher Criticism) کا نام دیتے ہیں۔ مستشرقین کی ایک جماعت قرآن مجید کی درایتی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا ہے[۳۴]۔ اور ہم ان مستشرقین کے اعتراضات کے بھی جوابات اپنی ایک مستقل تصنیف میں دے چکے ہیں۔

ہمیں یہ نہیں کہنا کہ حدیث کی درایتی تحقیق کا مطالبہ کرنے والے مستشرقین سے متاثر ہیں، بلکہ یہ کہنا ہے کہ جب انسانی ذہن پہلے سے ایک متن (text) کے مقام اور مرتبے کا تعین کر چکا ہوتا ہے تو اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کا سوچنے کا انداز بالکل ایک جیسا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی درایتی تحقیق کے دعویٰ کے نتیجے میں قرآن مجید کا انکار اور حدیث کی درایتی تحقیق کے دعویٰ کے نتیجے میں احادیث کا انکار کرنے والوں کا سوچنے کا انداز بالکل ایک جیسا ہے، یعنی ان کے ذہنی پیٹرن ملتے ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ دونوں کی تحقیق ان کے خیال میں غیر جانبدارانہ ہے۔ حدیث کے معاصر درایتی محققین کا بس یہ ایمان ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی درایتی تحقیق نہیں کرنی ہے، ورنہ وہ بھی مستشرقین کے نتائج کے حامل ہوں گے۔ لہٰذا یہ درایتی محققین جب قرآن مجید کے معاملے میں ویسے ہی جانبدار ہیں جیسا کہ روایت پسند حدیث کے معاملے میں، تو یہ روایت پسندوں کو حدیث کے معاملے میں جانبداری کا طعنہ کیسے دے سکتے ہیں؟

ایک مُلحد سے احادیث کے معانی پر مکالمہ

ملحد (atheist) کس طرح احادیث کو اپنے معانی پہناتے ہیں تو اس بارے میں راقم اور ایک ملحد غلام رسول کے درمیان ایک مکالمہ ہوا۔ راقم نے اس مکالمے کو تصویری شکل میں اپنی فیس بک وال پر شیئر کیا ہے۔ غلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول، ظاہری بات ہے کہ فیس بک پر اس ملحد کا فرضی نام ہے جبکہ وہ ایک ملحدانہ فیس بک پیج کا ایڈمن ہے اور فیس بک کی دنیا میں کافی معروف شخصیت ہے۔ غلام رسول صاحب نے اپنے پیج پر ایک حدیث شیئر کی کہ جس میں حدیث کا ترجمہ ایسا لگایا جو کہ بنتا نہیں تھا اور اپنے اسی ترجمے سے وہ صاحب اس حدیث میں عریانی اور فحاشی ثابت کر رہے تھے۔

اس مکالمے کا حاصل یہ ہے کہ ملحدین اور منکرین کس طرح حدیثوں کا معنی تبدیل کرتے ہیں اور اپنے ذہن کا گند احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اس حدیث کا یہ معنی کیسے کیا ہے؟ گرامر اور زبان کے کن اصول وضوابط کی روشنی میں کیا ہے؟ تو امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علمی جواب نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ معنی کیوں کیا ہے؟

پس اگر آپ احادیث کا صحیح ترجمہ کر دیں تو محض صحیح ترجمہ بیان کر دینے سے ملحد اور منکرِ حدیث کا وہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ جسے وہ اپنے تئیں کوئی علمی اعتراض سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کیس میں بھی حدیث پر اعتراض کی صرف ایک ہی بنیاد تھی اور وہ اس ملحد کا کیا ہوا ترجمہ تھا۔ جیسے ہی اس کے ترجمے پر سوالیہ نشان کھڑا ہوا اور وہ اپنے ترجمے سے رجوع کرنے لگا تو حدیث پر سے اعتراض بھی رفع ہو گیا۔ ملحد کا ترجمہ یہ تھا:

> ''عروہ بن الزبیر سے روایت ہے، حضرت عائشہؓ نے کہا: مجھے معلوم نہ ہوا کہ اچانک زینب بنت جحش میرے گھر بغیر اجازت کے آ گئیں، وہ غصہ میں تھیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ میں سمجھتی ہوں جب ابوبکر کی چھوکری اپنی قمیص الٹے تو وہ آپ ﷺ کو کافی ہے۔'' (۳۵)

جبکہ اس حدیث کا عربی متن یہ ہے:

> عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ : قَالَتْ عَائِشَةُ :مَا عَلِمْتُ حَتّٰى دَخَلَتْ عَلَىَّ زَيْنَبُ بِغَيْرِ اِذْنٍ وَهِيَ غَضْبَى ، ثُمَّ قَالَتْ : يَارَسُولَ اللّٰهِ، أَحَسْبُكَ اِذَا قَلَبَتْ بُنَيَّةُ اَبِى بَكْرٍ دُرَيْعَتَيْهَا(۳۶)

ملحد نے اس روایت میں موجود ''بُنَيَّةُ'' کے لفظ کا ترجمہ چھوکری اور ''دُرَيْعَتَيْهَا'' کا ترجمہ قمیص کیا ہوا ہے؟ جب میں نے ملحد کو اس بات پر پکڑا کہ چھوکری کس عربی لفظ کا ترجمہ کیا ہے تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے تو فلاں مترجم سے ترجمہ لیا ہے۔ میں نے کہا کہ جو ترجمہ آپ نے کیا ہے، وہ کسی ایک مترجم سے دکھا دو۔ اب اسے وہ بھی نہ ملے۔ دراصل اس نے کیا یہ تھا کہ مختلف ترجموں کو ملا کر ایک ترجمہ بنا لیا تھا۔ یعنی جس ترجمے میں اس کے ذہنی گند کے مناسب کوئی لفظ اسے مل گیا، اس نے وہ اٹھا لیا اور ایک ترجمہ بنا لیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی کتابوں کے مترجمین کو الفاظ کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے کہ اسلام مخالفین عناصر ان کے تراجم کو منفی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور ہماری رائے میں کتبِ احادیث کے بہت سے تراجم پر نظرثانی (revision) کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کی کافی ساری مثالیں ہیں کہ حدیث کا مناسب ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے ملحدین اور منکرین کو اعتراض کا موقع مل گیا، جیسا کہ کچھ مثالیں ہم آگے چل کر بھی بیان کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منکرینِ حدیث کی شطحیات

منکرینِ حدیث' حدیث کے انکار میں کس حد تک اخلاقی اور علمی طور پر گر سکتے ہیں کہ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انعام رانا صاحب (۳۷) نے اپنی فیس بک وال پر ڈاکٹر شبیر احمد کے حوالے سے کچھ ایسی احادیث نقل کی ہیں کہ جو ان کی نظر میں واہیات احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے جو انہوں نے بیان کی ہے:

''ایک شخص نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تنہا ہونے کی شکایت کی۔ کہا کبوتری کو زوجہ بنالو!'' (۳۸)

اب یہ صاحب اپنی وال پر یہ نقل کر کے عام لوگوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ احادیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مان لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان صاحب کو اس کتاب کا صحیح نام بھی لکھنا نہیں آتا کہ جہاں سے وہ حدیث نقل کر رہے ہیں۔ چلیں! مان لیا کہ ٹائپنگ کی غلطی ہے' لیکن اگر کتاب کا مکمل نام نقل کر دیتے تو وہ فحش غلطی نہ کرتے جو کہ یہ کر چکے ہیں۔ اس کتاب کا مکمل نام ''**المنار المنيف في الصحيح والضعيف**'' ہے کہ جس میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف احادیث کو صحیح سے علیحدہ کیا ہے۔

اب امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے کہ کبوتروں کے بارے میں تمام روایات ضعیف اور موضوع ہیں اور اس کے بعد انہوں نے ان ضعیف اور موضوع روایات کا ذکر کیا ہے جو کبوتروں کے بارے میں نقل ہوئی ہیں۔ جناب ڈاکٹر شبیر احمد صاحب نے امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے یہ روایت بغیر سمجھے اٹھالی ہے اور اب ان کے مقلدین بھی بغیر سمجھے اسے نقل کیے جا رہے ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ جواب دو ناں! جواب دو ناں! کی رٹ لگا رکھی ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

فَصْلٌ فِي ذِكْرِ جَوَامِعِ وَضَوَابِطِ كُلِّيَّةٍ فِي هَذَا الْبَابِ: فَمِنْهَا أَحَادِيثُ الْحَمَامِ۔ بِالتَّخْفِيفِ۔ لا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ ۔ وَمِنْهَا حَدِيثِ "كَانَ يُعْجِبُهُ النظر إلى الحمام". وَحَدِيث "كَانَ يُحِبُّ النَّظَرَ إِلَى الْخُضْرَةِ وَالْأُتْرُجِ والحمام الأحمر" وَحَدِيث "شَكَا رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْوَحْدَةَ، فَقَالَ لَهُ :لَوِ اتَّخَذْتَ زَوْجًا مِنَ حَمَامٍ فَآنَسَكَ وَأَصَبْتَ مِنْ فِرَاخِه" (۳۹)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں نقل کیا ہے۔ اور اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو یقین مانیے کہ حدیث پر اعتراض کرنے والوں کا بنیادی مصدر قرار پائے کہ کتاب کے نام اور موضوع پر غور کیے بغیر تھوک کے حساب سے حدیثوں پر اعتراضات کا ریکارڈ قائم کر دیں۔ اب معلوم نہیں' ان منکرین کو ہماری یہ بات سمجھ بھی آئی ہے یا نہیں! یہ منکرین جن احادیث پر اعتراضات قائم کرتے ہیں' ان کی بڑی تعداد ضعیف اور موضوع روایات پر مشتمل ہے کہ جنہیں پہلے ہی سے امت نے رد کر رکھا ہے۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

(۱) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، قرآن مجید میں قراءتوں کا اختلاف، ماہنامہ رشد، ستمبر ۲۰۰۹، مجلسِ تحقیقِ اسلامی، لاہور، ص ۴۸۔۴۹
(۲) نعیم الرحمٰن ناصف، حافظ، رشد قراءات نمبر اور منکرینِ حدیث کی بوکھلاہٹ، ماہنامہ رشد، مارچ ۲۰۱۰ء، مجلسِ تحقیق اسلامی، لاہور، ص ۱۴
(3) Al-Quran Al-Kareem bi Riwayat e Warsh, Retrieved 01 November, 2016 from https://archive.org/details/standard1-quran
(4) Al-Quran Al-Kareem bi Riwayat e Warsh, Retrieved 01 November, 2016 from http://ia601606.us.archive.org/14/items/QRaaNT/QRaaNTH.pdf
(٥) على بن سليمان العبيد، الدكتور، جمع القرآن الكريم حفظا وكتابة، مجمع الملك فهد، المدينة المنورة، ص ٥٥
(٦) العنكبوت : ٤٩
(٧) مصطفى بن حسنى السباعى (المتوفى١٣٨٤هـ)، السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى، المكتب الإسلامى، دمشق، الطبعة الثالثة، ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، ص ٣٨٠
(٨) البقرة : ٢٦
(٩) وَأَمَّا مَعْنَاهَا شَرْعًا: أَیْ: فِی اصْطِلَاحِ أَهْلِ الشَّرْعِ فَهِیَ: قَوْلُ النبی ﷺ وَفِعْلُهُ وَتَقْرِيرُهُ (الشوكانى، محمد بن على بن محمد بن عبد الله اليمنى (المتوفى :١٢٥٠هـ)، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، دار الكتاب العربى، بيروت، الطبعة الأولى،١٤١٩هـ ـ ١٩٩٩م، ١/٩٥)
(١٠) فَحَقِيقَةُ الرِّوَايَةِ :نَقْلُ السُّنَّةِ وَنَحْوِهَا وَإِسْنَادُ ذَلِكَ إِلَى مَنْ عُزِىَ إِلَيْهِ بِتَحْدِيثٍ أَوْ إِخْبَارٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ (السيوطى،عبد الرحمٰن بن أبى بكر، جلال الدين (المتوفى :٩١١هـ)، تدريب الراوى فى شرح تقريب النواوى، دار طيبة، الرياض، ١/٢٦)
(١١) اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ١٩٩٤ء، ص ١٩، ٢٨
(١٢) غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، ٢٠٠٩ء، ص ١٣۔١٥
(١٣) أبو الفتح عثمان بن جنى الموصلى (المتوفى:٣٩٢هـ)، المحتسب فى تبيين وجوه شواذ القراءات والإيضاح عنها، وزارة الأوقاف۔ المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، المملكة العربية السعودية، ١٤٢٠هـ/ ١٩٩٩م
(١٤) مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيرى النيسابورى (المتوفى٢٦١هـ)، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله ﷺ، دار إحياء التراث العربى، بيروت، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، بَابُ التَّثَبُّتِ فِى الْحَدِيثِ وَحُكْمِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، ٤/٢٢٩٨
(١٥) أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأزدى (المتوفى٢٧٥هـ)، سنن أبى داؤد، المكتبة العصرية، بيروت، كِتَاب الْعِلْمِ، بَابٌ فِى كِتَابِ الْعِلْمِ، ٣/٣١٨
(١٦) محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخارى الجعفى، صحيح البخارى، دار طوق النجاة، مصر، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ، كِتَاب فِى اللُّقَطَةِ، بَابٌ كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ أَهْلِ مَكَّةَ، ٣/١٢٥

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(١٧) صحيح البخاری، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ كِتَابَةِ العِلْمِ، ٣٤/١

(١٨) صحيح البخاری، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ فَكَاكِ الأَسِيرِ، ٦٩/٤

(١٩) محمد عجاج بن محمد تميم بن صالح بن عبد الله الخطيب، السنة قبل التدوين، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٠هـ ١٩٨٠م، ص ٣٤٨-٣٦١

(٢٠) الحسين بن علی بن محمد بن جعفر، أبو عبد الله الصَّيْمَری الحنفی (المتوفی ٤٣٦هـ)، أخبار أبی حنيفة وأصحابه، دار عالم الكتب، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٥هـ ١٩٨٥م، ص ٢٤

(٢١) ابن قيم الجوزية، محمد بن أبی بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفی ٧٥١هـ)، إعلام الموقعين عن رب العالمين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی، ١٤١١هـ ١٩٩١م، ٩٤/٤

(٢٢) السيوطی، عبد الرحمن بن أبی بكر، جلال الدين (المتوفی ٩١١هـ)، الإتقان فی علوم القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب، مصر، ١٣٩٤هـ/١٩٧٤م، ٢٥٨/١

(٢٣) جیسا کہ طبقات القراء کے بیان میں علامہ ابن الجزری ﷫ کی کتاب ''غاية النهاية فی طبقات القراء'' اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ''معرفة القراء الكبار علی الطبقات والأعصار'' معروف ہیں۔

(٢٤) ابن الجزری، شمس الدين أبو الخير محمد بن محمد بن يوسف (المتوفی ٨٣٣هـ)، منجد المقرئين ومرشد الطالبين، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولی، ١٤٢٠هـ ١٩٩٩م، ص ١٨

(٢٥) یہ مکالمہ راقم اور مولانا زاہد صدیق مغل صاحب کے مابین فیس بک پر ہوا تھا۔ اس مکالمے میں اگرچہ بعد دوسرے حضرات کے کمنٹس بھی آ گئے، جیسا کہ جناب قاری حنیف ڈار صاحب، جناب عمار خان ناصر صاحب، جناب ڈاکٹر خضر یاسین صاحب، جناب محمد حسن صاحب، مولانا سرفراز فیضی صاحب، جناب شکیل بن حسن صاحب، جناب محمد امجد مغل صاحب وغیرہ، لیکن اصلاً یہ میرے اور زاہد مغل صاحب کے مابین ہی رہا۔ یہ مکالمہ مولانا زاہد صدیق مغل صاحب کی وال پر موجود ہے۔ میں نے وہاں سے بعینہٖ اٹھا کر اس کی امیج بنا کر اپنی وال پر تصویر کے طور پر پبلش کر دیا ہے۔ اور یہ ٣٢ صفحات پر مشتمل ہے۔

(٢٦) وَمِنَ الْمَشْهُورِ: الْمُتَوَاتِرُ الَّذِی يَذْكُرُهُ أَهْلُ الْفِقْهِ وَأُصُولِهِ، وَأَهْلُ الْحَدِيثِ لَا يَذْكُرُونَهُ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ الْمُشْعِرِ بِمَعْنَاهُ الْخَاصِّ، وَإِنْ كَانَ الْحَافِظُ الْخَطِيبُ قَدْ ذَكَرَهُ، فَفِی كَلَامِهِ مَا يُشْعِرُ بِأَنَّهُ اتَّبَعَ فِيهِ غَيْرَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَلَعَلَّ ذَلِكَ لِكَوْنِهِ لَا تَشْمَلُهُ صِنَاعَتُهُمْ، وَلَا يَكَادُ يُوجَدُ فِی رِوَايَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْخَبَرِ الَّذِی يَنْقُلُهُ مَنْ يَحْصُلُ الْعِلْمُ بِصِدْقِهِ ضَرُورَةً، وَلَا بُدَّ فِی إِسْنَادِهِ مِنِ اسْتِمْرَارِ هَذَا الشَّرْطِ فِی رُوَاتِهِ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَی مُنْتَهَاهُ. وَمَنْ سُئِلَ عَنْ إِبْرَازِ مِثَالٍ لِذَلِكَ فِيمَا يُرْوَی مِنَ الْحَدِيثِ أَعْيَاهُ تَطَلُّبُهُ. (ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، أبوعمرو، تقی الدين (المتوفی ٦٤٣هـ)، معرفة أنواع علوم الحديث، ويُعرف بمقدمة ابن الصلاح، دار الفكر المعاصر، بيروت، ١٤٠٦هـ ١٩٨٦م، ص ٢٦٨-٢٧٦)

(٢٧) وَأَمَّا الْمُتَوَاتِرُ فَالصَّوَابُ الَّذِی عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ: أَنَّ الْمُتَوَاتِرَ لَيْسَ لَهُ عَدَدٌ مَحْصُورٌ بَلْ إِذَا حَصَلَ الْعِلْمُ عَنْ إِخْبَارِ الْمُخْبِرِينَ كَانَ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا وَكَذَلِكَ الَّذِی عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ أَنَّ الْعِلْمَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ حَالِ الْمُخْبِرِينَ بِهِ. فَرُبَّ عَدَدٌ قَلِيلٌ أَفَادَ خَبَرُهُمُ الْعِلْمَ بِمَا يُوجِبُ صِدْقَهُمْ وَأَضْعَافُهُمْ لَا يُفِيدُ خَبَرُهُمُ الْعِلْمَ؛ وَلِهَذَا كَانَ الصَّحِيحُ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ قَدْ يُفِيدُ الْعِلْمَ إِذَا احْتَفَتْ بِهِ قَرَائِنُ تُفِيدُ الْعِلْمَ. وَعَلَی هَذَا فَكَثِيرٌ مِنْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُتُون الصَّحِيحَيْنِ مُتَوَاتِرُ اللَّفْظِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ وَإِنْ لَمْ يَعْرِفْ غَيْرُهُمْ أَنَّهُ مُتَوَاتِرٌ؛ وَلِهَذَا كَانَ أَكْثَرُ مُتُون الصَّحِيحَيْنِ مِمَّا يَعْلَمُ عُلَمَاءُ الْحَدِيثِ عِلْمًا قَطْعِيًّا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهُ تَارَةً لِتَوَاتُرِهِ عِنْدَهُمْ وَتَارَةً لِتَلَقِّي الْأُمَّةِ لَهُ بِالْقَبُولِ .وَخَبَرُ الْوَاحِدِ الْمُتَلَقَّى بِالْقَبُولِ يُوجِبُ الْعِلْمَ عِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَد وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَصْحَابِ الْأَشْعَرِيِّ كالإسفراييني وَابْنِ فورك؛ فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِهِ لَا يُفِيدُ إلَّا الظَّنَّ؛ لَكِنْ لَمَّا اقْتَرَنَ بِهِ إجْمَاعُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ عَلَى تَلَقِّيهِ بِالتَّصْدِيقِ كَانَ بِمَنْزِلَةِ إجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْفِقْهِ عَلَى حُكْمٍ مُسْتَنِدِينَ فِي ذَلِكَ إلَى ظَاهِرٍ أَوْ قِيَاسٍ أَوْ خَبَرِ وَاحِدٍ فَإِنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ يَصِيرُ قَطْعِيًّا عِنْدَ الْجُمْهُورِ وَإِنْ كَانَ بِدُونِ الْإِجْمَاعِ لَيْسَ بِقَطْعِيِّ؛ لِأَنَّ الْإِجْمَاعَ مَعْصُومٌ فَأَهْلُ الْعِلْمِ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ لَا يَجْمَعُونَ عَلَى تَحْلِيلِ حَرَامٍ وَلَا تَحْرِيمِ حَلَالٍ كَذَلِكَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ لَا يُجْمِعُونَ عَلَى التَّصْدِيقِ بِكَذِبِ وَلَا التَّكْذِيبِ بِصِدْقِ .وَتَارَةً يَكُونُ عِلْمُ أَحَدِهِمْ لِقَرَائِنَ تَحْتَفُّ بِالْأَخْبَارِ تُوجِبُ لَهُمْ الْعِلْمَ وَمَنْ عَلِمَ مَا عَلِمُوهُ حَصَلَ لَهُ مِنْ الْعِلْمِ مَا حَصَلَ لَهُمْ .(ابن تيمية،تقى الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحرانى (المتوفى: ٧٢٨هـ)، مجموع الفتاوىٰ، مجمع الملك فهد، المملكة العربية السعودية، ١٤١٦هـ/١٩٩٥م، ١٨/٤١_٤٠)

(٢٨) إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول ١/١٣٢_١٣٣

(٢٩) أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ، قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَةَ، وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ، قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى (صحيح البخارى٦/١٨٣)

(٣٠) الإتقان فى علوم القرآن١/٢٥٨_٢٨١

(٣١) ابن الجزرى، شمس الدين أبو الخير، محمد بن محمد بن يوسف (المتوفى٨٣٣ هـ)، النشر فى القراء ات العشر، المطبعة التجارية الكبرى، مصر،٥٨_١٩٨

(٣٢) ابن أبى داوٗد، أبو بكر عبد الله بن سليمان بن الأشعث الأزدى السجستانى (المتوفى٣١٦هـ)، كتاب المصاحف، الفاروق الحديثة، القاهرة، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٣هـ ٢٠٠٢م

(٣٣) ابن قيم الجوزية،محمد بن أبى بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى٧٥١هـ)، مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة، دار الحديث، القاهرة، الطبعة الأولىٰ، ١٤٢٢هـ ٢٠٠١م، ص ٥٥٣

(34) Harald Motzk, "Alternative accounts of the Quran's formation ", in The Cambridge Companion to the Quran, ed. Jane Dammen McAuliffe, UK: Cambridge University Press, 2006,pp. 59-71

Higher Critical scholarship of the Koran, using methodologies adapted from biblical criticism, is still largely confined to scholars working in Western universities. So sensitive is this area for Muslims that `Ibn Warraq, a Muslim-born writer trained in Arabic who accepts the findings of radical Western scholarship, has felt it necessary to publish his work under a

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

pseudonym.)Malise Ruthven, Fundamentalism: A Very Short Introduction, London: Oxford University Press, 2007, p. 49)

As Richard Bell and Montgomery Watt argue in their scholarly Introduction to the Quran: The assumption that God is himself the speaker in every passage leads to difficulties. (Ibid., p. 50)

The Egyptian academic Nasr Abu Zaid, who ventured to use modern literary critical methodology in his approach to the Koran, was forced into exile. Higher criticism of the Koran, where the text is deconstructed in accordance with methods developed by biblical scholars since the 18th century, is still very largely confined to scholars who are not Muslims. Examples include the work of John Wansbrough, Patricia Crone, and Gerald Hawting, Western scholars of Islam who do not accept the traditional view of its origins as related in the earliest texts.(Ibid., pp.40-41)

(35) Retrieved 2 February, 2016 from Pakistani Free Thinkers Facebook Page. For detail please visit my Timeline Hm Zubairpost on 2 February, 2016.

(٣٦) سنن ابن ماجة ١/٦٣٧

(٣٧) پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں' لندن میں مقیم ہیں اور مکالمہ کے نام سے ایک ویب سائیٹ کے ایڈیٹر ہیں۔

(38) Retrieved 2 February, 2016 from Inam Rana Sb Facebook Page. For detail please visit my Timeline "Hm Zubair" post on 2 February, 2016.

(٣٩) ابن قيم الجوزية' محمد بن أبى بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى ٧٥١هـ)' المنار المنيف فى الصحيح والضعيف' مكتبة المطبوعات الإسلامية' حلب' الطبعة الأولى' ١٣٩٠هـ/١٩٧٠م' ص ١٠٦

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت وفرضیت، بعنوان:
توحیدِ عملی
سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

© rasailojaraid.com